قیمتوں میں اضافہ'

اشاریہ بندی (INDEXATION) اور ربا

ایک نوٹ

محمد اکرم خان ☆

حکمت قرآن کے سابقہ شماروں میں جناب مولانا محمد طاسین صاحب اور حافظ عاطف وحید صاحب کی فکر انگیز بحث' قیمتوں میں اضافہ سے اشاریہ بندی اور ربا کے مسئلہ پر چل رہی ہے۔ آہستہ آہستہ بحث میں باریک نکتے پیدا ہونے سے ڈر ہے کہ کہیں اصل مسئلہ ہی نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ لہٰذا اس نوٹ کا مقصد از سر نو نفس مسئلہ کی تنقیح اور اس کے حل طلب پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

قیمتوں میں اضافہ کا مسلسل رجحان دوسری جنگ عظیم کے بعد ہوا۔ اس سے پہلے قیمتوں میں اضافہ بہت معمولی اور برسوں میں ہوا کرتا تھا۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ قیمتوں میں اضافہ اور کمی دونوں ہی ہوتے رہتے تھے۔ لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا بھر میں یہ اضافہ ایک تسلسل سے ہونے لگا جس کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوئے' جن میں سے ایک مسئلہ وہ ہے جو اس وقت زیر بحث ہے۔

مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہونے کی وجہ سے زر کی قوت خرید میں کمی ہو جاتی ہے' جس کے نتیجے میں وہ ادائیگیاں جن میں مہلت یا وقت درکار ہوتا ہے ان میں دائن کو فائدہ رہتا ہے اور مدیون کو نقصان۔ قرض حسن کی شکل میں ایک شخص آج ایک لاکھ روپے ادھار دیتا ہے اور پانچ سال بعد مقروض اگر اسے ایک لاکھ روپے ہی

☆ چیف اکاؤنٹس آفیسر' وزارت خارجہ' اسلام آباد

واپس کرے تو قرض خواہ کو قوت خرید کے لحاظ سے نقصان ہو جاتا ہے اور مقروض فائدہ میں رہتا ہے۔

یہاں تک تو تمام باتیں متفق علیہ ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ چونکہ شریعت انصاف کی علمبردار ہے اور چونکہ سود بھی اسی لئے حرام ہے کہ اس سے مقروض پر ظلم ہوتا ہے' لہٰذا ایک ایسی صورت میں جب قرض خواہ پر ظلم ہو رہا ہو تو شریعت کی طرف سے قرض خواہ کی مدد ہونا چاہئے' چنانچہ انہوں نے تجویز کیا کہ ایسے قرضوں پر افراط زر کی شرح کے مطابق اشاریہ بندی (Indexation) کے ذریعے اصل زر پر ایک رقم کا اضافہ کر دیا جائے۔

جب یہ بات تجویز ہوئی تو علماء کے بہت سے مراکز اور اداروں نے اس پر بحث شروع کی۔ ان میں سے بعض کا ذکر حافظ عاطف وحید صاحب نے بھی کیا ہے۔ علماء کا غالب رجحان (یا بہت حد تک متفقہ فیصلہ) یہ لگتا ہے کہ قرض حسن کی شکل میں اصل اعتبار مقدار کا ہے نہ کہ قدر و قیمت کا۔ لہٰذا جو کوئی قرض حسن دے' اسے اتنی ہی رقم واپس لینا چاہئے' اس پر اضافہ ربا یا مثل ربا ہے' لہٰذا حرام ہے۔ مولانا محمد طاسین صاحب اور شاہ محی الدین صاحب (جو "فکر و نظر" میں اس موضوع پر اپنی تحقیق شائع کر رہے ہیں) اس حل سے مطمئن نہیں ہیں' لیکن وہ اس بدیہی صورت حال کا سامنا بھی نہیں کر سکتے جس میں ایک قرض خواہ اصل زر سے زائد واپس لے تو وہ ربا کہلائے گا' چنانچہ وہ اس فقہی بحث میں پڑ گئے ہیں کہ کاغذی نوٹ اور سونا چاندی کا آپس میں کیا تعلق ہے اور کسی طرح سے اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ کاغذی نوٹ حقیقی زر نہیں ہیں تو پھر ان پر اضافہ کو جائز کرنے کا ایک فقہی عذر نکل آئے گا۔

اس نوٹ میں ہم فریقین کے موقف کی کمزوریوں پر بحث نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ قارئین کی توجہ نفس مسئلہ کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

اصل مسئلہ صرف قرض حسن سے متعلق نہیں ہے بلکہ اس کا اطلاق ان تمام مالیاتی حقوق اور واجبات پر ہوتا ہے جن میں وقت کسی طرح سے داخل ہو جائے۔ مثلاً ایک شخص اپنے جی پی فنڈ میں ایک رقم جمع کرواتا ہے' تیس یا پینتیس سال کی ملازمت کے بعد جب وہ ریٹائر ہوتا ہے تو قیمتوں میں تفاوت سے اس کی رقم کی قوت خرید بہت کم ہو چکی ہوتی ہے۔

اگر اسے اپنی اصل رقم لوٹائی جائے تو وہ بہت خسارے میں رہے گا، لہٰذا بعض علماء نے (جن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ سرفہرست ہیں) اس مشکل سے نکلنے کے لئے ایک فقہی جزیئے کا سہارا لے کر جی پی فنڈ پر سود کو جائز قرار دے دیا۔ حالانکہ یہ امر واقع ہے کہ جی پی فنڈ پر جو اضافہ ملتا ہے وہ سود ہوتا ہے، سود ہی کی طرح اس کا حساب کیا جاتا ہے۔ اور حکومت بھی اسے سود ہی شمار کرتی ہے۔ لینے والا بھی عدالت میں جا کر اسے کسی دوسرے سود خور کی طرح وصول کر سکتا ہے۔ کسی فقہی موشگافی سے اگر ہم اس کو سود نہ شمار کریں تو نفس مسئلہ بدل نہیں جائے گا۔ یہ ایک مثال ہے جہاں علماء نے اصل مسئلہ سے نپٹنے سے گریز کیا ہے۔

اسی طرح سے اور مثالیں لیں۔ ایک شخص کسی فرم کو مال سپلائی کرتا ہے اور فرم اس کی ادائیگی میں تاخیر کر دیتی ہے۔ اس دوران میں قیمتوں میں اضافہ سے زر کی قوت خرید میں جو کمی ہوتی ہے اس کا خسارہ مال سپلائی کرنے والے کو ہوتا ہے۔ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تمام کاروباری لوگ ادھار مال فروخت کرتے وقت ادھار کی قیمت میں نقد کی قیمت کے اوپر اضافہ کر دیتے ہیں۔ اس اضافہ کی روح یہی ہے کہ اگر وہ یہ مال نقد بیچتا تو وہ اس سرمایہ کو دوبارہ، سہ بار (وغیرہ) گردش میں لے آتا اور اب یہ مال ادھار میں بندھ جائے گا۔ لہٰذا وہ اس پر شروع میں ہی ایک اضافہ لگا دیتا ہے۔ علماء کے بہت بڑے گروہ نے اس کو بھی جائز قرار دیا ہے، حالانکہ یہی تو وہ دلیل ہے جو سود خور یا بینک سود وصول کرنے کے لئے دیتا ہے۔ یہ دوسری مثال ہے جس میں علماء نے اصل مسئلہ سے گریز میں عافیت سمجھی۔

اور مثالیں لیجئے۔ ایک شخص کسی مقدمے کے سلسلہ میں عدالت کے حکم پر ایک رقم بطور ضمانت یا پیشگی ٹیکس کے طور پر جمع کرا دیتا ہے۔ مقدمے کا تصفیہ ہونے میں چند برس بھی لگ جاتے ہیں۔ فیصلہ کے نتیجے میں اسے وہی رقم ملے گی جو اس نے جمع کرائی تھی، اور ظاہر ہے کہ یہ ایک خسارے کا سودا ہے۔ لہٰذا ایسے اشخاص عدالت سے باہر ہی سرکاری اہل کاروں سے رشوت دے دلا کر معاملہ طے کر لیتے ہیں۔ یعنی اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے عام آدمی نے جو راستہ نکالا وہ یہ ہے کہ وہ سود سے تو بچ گیا لیکن رشوت میں ملوث ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی کوئی مطلوب صورت حال نہیں۔ ایسی بہت سی اور مثالیں بھی دی

جا سکتی ہیں۔

ان باتوں کے جواب میں علماء کی طرف سے جو کچھ کہا جاتا ہے وہ حقیقت پسندی نہیں ہے۔ مثلاً یہ کہ قرض حسنہ ایک اخلاقی معاملہ ہے اس میں قربانی تو دینا ہی پڑے گی۔ یہ بات بہت کمزور ہے۔ ایک قربانی تو یہ ہے کہ آپ کسی کو اپنا مال عاریتاً دے دیں اور اس کے استعمال سے اپنے کو محروم کریں۔ اب ایک اور قربانی بھی مانگی جا رہی ہے کہ اصل زر کی قوت خرید میں جو کمی ہوئی ہے اسے بھی قرض حسن دینے والا برداشت کرے۔ ظاہر ہے اس قربانی کا مطالبہ وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے خود کسی کو کبھی قرض حسنہ نہیں دینا' صرف فتویٰ ہی دینا ہے۔ اسی طرح سے بعض علماء کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو کوئی اپنے مال میں اضافہ کا غرض مند ہے وہ شرکت یا مضاربت وغیرہ کرے' قرض نہ دے۔ حالانکہ یہ تو ایک دوسرا معاملہ ہے' کوئی یہ تو نہیں پوچھ رہا کہ میں اپنے مال سے مزید مال کیسے کماؤں؟ مسئلہ تو یہ ہے کہ قرض دینے سے جو قوت خرید میں کمی ہو جاتی ہے اس کی تلافی کیسے ہو۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ افراط زر میں قوت خرید سے جو کمی واقعی ہوتی ہے' تو ان مالی معاملات میں جن میں وقت شامل ہوتا ہے اس قوت خرید میں کمی کی تلافی کا کوئی حتمی اور تسلی بخش حل ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ دونوں طرف کی آراء میں کچھ نہ کچھ کمزوری ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم مان لیں کہ یہ ان مسائل میں سے ہے جو جدید دور میں پیدا ہوئے ہیں اور جن پر شرعی نقطہ نظر سے ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ مسئلہ کو صرف قرض حسن کی حد تک محدود کرنے سے بات نہ بنے گی' نہ ہی اس سے گریز سے ہم کوئی باعزت حل پیش کر سکیں گے۔ واللہ اَعلم بالصّواب OO

اطلاع برائے قارئین

حکمت قرآن کے قارئین نوٹ فرمالیں کہ رمضان المبارک کی معروفیات کے باعث حکمت قرآن کا فروری ۹۷ء کا شمارہ بروقت شائع نہ ہو سکے گا' اور اب انہیں فروری مارچ ۹۷ء کا مشترکہ شمارہ موصول ہو گا۔ (ادارہ)